طلبائے شعبہ اسلامیات، مانو کی سرگرمیوں کا آئینہ دار

اسلامی مطالعات

ISLAMI MUTALA'AT

جلد: 2 | شمارہ: 2 | صفحات: 4 | شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | ربیع الثانی - رمضان المبارک 1439ھ | جنوری - جون 2018ء

اِداریہ

اسلام میں اقلیتوں کے حقوق

اسلام ایک ہمہ گیر مذہب اور دستور حیات ہے۔ اس میں زندگی کے ہر مرحلے، ہر طرح کے حالات اور ہر جگہ کے لئے احکام اور ہدایتیں موجود ہیں، جن کی روشنی میں انسان ایک خوشحال زندگی گذار سکتا ہے، پھر چاہے وہ اقلیت والی آبادی میں ہو یا اکثریت والی میں۔ شروع میں جب رسول اکرم ﷺ توحید کی دعوت لے کر مکہ میں کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کو سخت ترین تکلیفوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ کفار مکہ اور سرداران قریش کو یہ کسی طرح بھی گوارا نہ تھا کہ ان کے معبودان باطل کو کوئی برا بھلا کہے اور ان کی امارت وسرداری ان کے ہاتھوں سے نکل جائے، چنانچہ انھوں نے ان کے دفاع کے لئے مسلمانوں کو حتی الوسع آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ لیکن اس کے برعکس مسلمان اسلام پر جمے رہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں غلبہ عطا فرمایا اور وہ مدینہ طیبہ میں اکثریت میں آ گئے۔ لیکن ان آزمائشوں اور کلفتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ اقلیتوں کے مسائل ومشکلات سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مساوات کا اہم ترین درس دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت ہے، مگر تقویٰ کی بنیاد پر"، آپ ﷺ نے آگے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون، مال اور عزت وآبرو کو محترم قرار دیا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے آج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہے"۔ (مسند احمد: 23489) اور غلاموں سے متعلق فرمایا: "جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ"۔ (مسند احمد: 16409)

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ فرمان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر اقلیت اور اکثریت کی کوئی تقسیم نہیں ہے، البتہ مذہب کی بنیاد پر اقلیتوں کی بابت ہمیں مفصل احکام ملتے ہیں، ذیل میں اختصار کے ساتھ ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے:

1- اسلام میں جس طرح مسلمان کی جان محترم ہے اسی طرح غیر مسلم کی جان بھی محترم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی بھی انسان کو ناحق قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (بنی اسرائیل: 33)، اور اس سلسلہ میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی معاہد یعنی اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلم شہری کو بغیر کسی وجہ کے قتل کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے۔ (ابوداؤد: 2760)

2- اسلام نے مال وجائیداد کے سلسلہ میں غیر مسلموں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں مال وجائیداد رکھیں اور ان پر مالکانہ تصرف کریں۔ ان کے مال وجائیداد پر کسی مسلمان کو دست درازی کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ باطل طریقے پر کسی کا مال نہ کھاؤ (البقرۃ: 188)، خواہ وہ مال مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا، کوئی امتیاز نہیں۔

3- عصمت وعفت اور اعزاز واکرام سے متعلق جو فرامین قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ بھی مطلق ہیں، نہ ان میں مسلم کی قید ہے اور نہ ہی غیر مسلم کی تفریق، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ہم نے بنی آدم کی تکریم کی" (الاسراء: 70)، اس تکریم بنی آدم میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شامل ہیں، کیونکہ اس میں ایسی کوئی قید نہیں ہے جو اس بات پر دال ہو کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح سورہ تین میں فرمایا ہے: "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا" (آیت: 4)، یہ فرمان بھی مطلق ہے، قرآن مجید نے نگاہیں نیچی رکھنے کا جو حکم دیا ہے وہ بھی مطلق ہے اس میں بھی مسلم یا غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

4- غیر مسلموں کو مذہبی آزادی بھی حاصل ہے، وہ بالکل آزادانہ طور پر اپنے عقیدے پر عمل کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں (البقرۃ: 256)، اسی طرح وہ اپنے معاشرتی قوانین پر بھی عمل کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ مسلمان شوہر کی کتابیہ بیوی بھی اپنے مذہبی امور کو بجالانے میں آزاد ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلموں کو اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت کا بھی حق حاصل ہے۔ (ابوداؤد: 3041)

5- تعلیم وتعلم سے متعلق بھی غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا غیر مسلموں کو اختیار ہے کہ اپنی پسند کے علوم جہاں سے چاہیں حاصل کریں۔ مدینہ میں یہودیوں کا خود اپنا مدرسہ "بیت المدارس" قائم تھا، جس میں وہ لوگ اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے اور مسلمان ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے۔

6- اسلامی مملکت میں انتظامی امور سے متعلق قانون سازی میں غیر مسلموں سے رائے لی جا سکتی ہے، اسی طرح وہ خود اپنی سماجی امور سے متعلق قوانین بنا سکتے ہیں۔

7- غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور مالی مدد کا بھی حکم ہے۔ جب مکہ میں قحط پڑا تو اس کے باوجود کہ وہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن اور میدان جنگ میں برسر پیکار تھے رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی مالی مدد فرمائی تھی۔ مزید یہ کہ فقہاء نے اس بات کی اجازت بھی دی ہے کہ مسلمان زکاۃ کے علاوہ دوسرے تمام صدقات غیر مسلموں کو بھی دے سکتے ہیں۔

یہ اسلام کے دیئے ہوئے اقلیتوں کے حقوق ہیں۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حقوق انسانی کے علمبرداران اقلیتوں کو کیا حقوق دیتے ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں؟

☆☆☆

صالح امین

مذاہب کا تسلسل اور وحدت دین

(صلاح الدین، ایم اے، سال دوم)

اللہ رب العزت نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجا اور ساتھ ہی زندگی گزارنے کے طور طریقے اور مقصد حیات کے حصول کے لئے رہنمایانہ احکام وہدایات بھی عطا فرمائے، انہیں بالکل آزاد اور بے مہار چھوڑنے کے بجائے کچھ حدود وقیود مقرر فرمائے، اور اس کام کے لئے اللہ نے ہر قوم میں انبیاء کرام کی معصوم ہستیوں کو مبعوث فرمایا تاکہ یہ برگزیدہ ہستیاں اللہ کے احکام وہدایات انسانوں تک پہنچائے۔

نبیوں کا یہ سلسلہ انسانِ اول حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر منتہی ہوا، ایک حدیث کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار اللہ کے برگزیدہ بندے انسانوں کی ہدایت ورہبری کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے، جن میں تین سو سے زائد ایسے تھے جن کو نئی شریعت دیکر بھیجا گیا۔ (مسند احمد: 22288) لیکن اس کے باوجود دین سب کا ایک ہی تھا اور وہ ہے اسلام۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ (آل عمران: 19)

اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو سپرد کر دینا، سر تسلیم خم کر دینا۔ یہ عربی لفظ ہے، انگلش میں اس کے معنی ہیں: Surrender, Submission (المورد)۔ ہر زبان میں اس کے لئے مختلف الفاظ آ سکتے ہیں جس میں اطاعت وتسلیم کے معنی ہوں، اسی لئے قرآن کریم میں دیگر انبیاء کو بھی مسلمین کا نام دیا گیا (الحج: 78)، کسی نبی کو یہودی یا نصرانی کہہ کر یاد نہیں کیا گیا، نیز اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً" (المائدۃ: 3) یعنی جو دین حضرت آدم سے چلا تھا وہ نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوتا ہوا محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچ کر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، اگر انبیاء سابقین کا دین اسلام نہ ہوتا تو پھر اس آیت میں لفظ تکمیل کا کیا مطلب ہوگا؟ اسی طرح اگر اسلام اور دیگر انبیاء کا دین الگ الگ ہے تو پھر محمد رسول اللہ کی امت کو انبیاء سابقین اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا؟ کیا یہ مطلب ہوگا کہ یہ امت اسلام اور قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ انبیاء سابقین اور کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے اور بیک وقت مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ یہودی اور نصرانی بھی کہلائے؟؟ ظاہر ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا بھی دراصل اسلام اور قرآن پر ہی ایمان لانا ہے، کیوں کہ سب کا دین ایک ہے، اسی وجہ سے کسی بھی نبی یا ان کی کتاب کی تکذیب کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ (البقرۃ: 285)

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام نے وحدتِ دین کا تصور پیش کیا ہے، وحدتِ ادیان کا نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ زمانہ اور قوموں کے احوال کے اعتبار سے احکام ایک دوسرے سے جداگانہ عطا کئے گئے جن کو ہم مذاہب اور شرائع کہہ سکتے ہیں: "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً" (المائدۃ: 48) یعنی ان کے مذاہب الگ الگ ہو سکتے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے، لیکن جس کا تعلق اعتقاد سے ہے وہ سب کا ایک ہی تھا اور ایک ہی ہے۔ ہر نبی نے توحید، رسالت، ملائکہ، بعث بعد الممات اور جزا وسزا کا عقیدہ لوگوں کو عطا کیا، تورات ہو، زبور ہو، انجیل ہو یا دیگر آسمانی کتابیں اور صحیفے ہوں سب میں یہ تعلیمات قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں۔

وحدتِ دین پر اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب ہم اس روئے زمین پر جانے والے مختلف مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس وقت روئے زمین پر مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی نسبت تو اللہ کے کسی نہ کسی برگزیدہ بندے اور نبی کی طرف کی جاتی ہے اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق قرآن نے بھی کی ہے۔ اور بعض مذاہب ایسی شخصیات کی طرف منسوب ہیں جو اپنے وقت کے مفکر، مدبر، مصلح، انسانیت کے ہمدرد اور عظیم انسان تھے لیکن ان کا نبی یا رسول ہونا قطعی اور پختہ دلیل سے ثابت نہیں۔ اس لیے ہم ان کے نبی یا رسول ہونے کی نہ تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔

مغربی مصنفین نے دنیا میں پائے جانے والے مذاہب کو اولاً دو قسموں میں تقسیم کیا ہے سامی اور غیر سامی۔ سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کو شمار کیا ہے۔ اور غیر سامی مذاہب کی دو قسمیں قرار دی ہیں: آرین اور غیر آرین۔ غیر آرین میں کنفیوشن ازم، تاؤازم اور شنتو ازم کو شامل کیا ہے، اور پھر آرین کو دو قسموں ویدک اور غیر ویدک میں تقسیم کر کے ہندومت، بدھ مت، سکھ مت اور جین مت وغیرہ کو ویدک مذاہب میں شمار کیا ہے جبکہ غیر ویدک میں سر فہرست زرتشت مذہب کو قرار دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

☆ ہدایت ونگرانی ☆
ڈاکٹر محمد فہیم اختر

☆ مشاورت ☆
ڈاکٹر محمد عرفان احمد، مفتی محمد سراج الدین
محترمہ ذیشان سارہ، جناب عاطف عمران

مدیر : صالح امین
معاونین : سید عبدالرشید، عبدالرقیب، محمد عامر (ریسرچ اسکالرس)
منتظمین : محمد صلاح الدین، نوید السحر (ایم اے)

☆ شعبہ کا پتہ ☆
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسکول برائے فنون وسماجی علوم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤولی، حیدرآباد، 500032
فون: 040-23008364
ای میل: doismanuu@gmail.com
ویب سائٹ: www.manuu.ac.in

الاخوان المسلمون: ایک جائزہ

(رضوانہ بیگم، ایم اے، سال دوم)

پس منظر

عثمانی خلافت کے زوال کے بعد ترکی میں الحاد اور مغرب زدگی کی جو وبا پھیلی اس کا اثر پورے عالم عرب اور عالم اسلام پر پڑا۔ پورے عالم اسلام میں دین سے بیزاری، آخرت فراموشی اور مذہب کا مذاق اڑانا عام ہوگیا تھا۔ دمشق یونیورسٹی میں اعلانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا، علی عبدالرزاق کی کتاب "الاسلام واصول الحکم" منظر عام پر آئی تو دین وسیاست کو ایک دوسرے سے علاحدہ کر دینے کی تحریک کو زبردست تقویت ملی، قاسم امین نے اپنی کتاب "تحریر المرآۃ" میں ان تمام آزادیوں کا مطالبہ کیا جو مغرب میں عورتوں کو حاصل تھیں، ہفت روزہ "السیاسۃ" نکلا جس نے تجدد پسندوں کی خوب حوصلہ افزائی کی اور پھر حالات اس قدر بدتر ہو گئے کہ مسلم نوجوان پارکوں اور تفریح گاہوں میں نماز پڑھتے ہوئے شرمانے لگے، جب حالات اس حد کو پہنچ گئے تو اللہ عز وجل نے محمودیہ کے ایک نوجوان "شیخ حسن البناء الشہید" (1906-1949) کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ (الاخوان المسلمون:96)

تعارف

اس تحریک کے بانی حسن البناء نے اس کا تعارف پیش کرتے ہوئے ایک موقع پر اپنے خطاب میں کہا تھا: تحریک اخوان ایک سلفی دعوت ہے، کیونکہ وہ اسلام کو اس کے خالص سرچشمے کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کی داعی ہے۔ وہ ایک سنی مسلک بھی ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد وعبادات میں سنت رسول پر گامزن ہے۔ وہ تصوف کا ایک طائفہ بھی ہے کیونکہ وہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل پر مداومت، مخلوق سے درگذر، اللہ کے لئے محبت اور نیکی کے لئے یگانگت کو ضروری سمجھتی ہے۔ وہ ایک سیاسی تنظیم بھی ہے، کیونکہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے۔ رعایا کے اندر عزت وکرامت کی روح پھونکی جائے، آخری حد تک ان کی قومیت کی حفاظت کی جائے۔ وہ ایک علمی وثقافتی ادارہ بھی ہے۔ یہ اخوانی انجمنیں حقیقت میں علم وثقافت کی درسگاہیں اور جسم وروح کی تربیت گاہیں ہیں کیونکہ اسلام کے نزدیک حصول علم ہر مسلم مرد وعورت پر فرض ہے۔ (الاخوان المسلمون:88-87)

آغاز وارتقاء

اس تحریک کا آغاز مصر کے ایک شہر اسماعیلیہ میں 1928ء میں عمل میں آیا۔ یہ شہر ان دنوں مصر میں انگریزوں کی ایک بڑی چھاؤنی تھا اور یہاں پر مغرب کے اثرات دیکھے اور محسوس کئے جا رہے تھے۔ الاخوان المسلمون نے اپنے قیام کے بعد بہت جلد ہی اپنے کاموں کا دائرہ وسیع کرنا شروع کر دیا تھا اور اس نے خود کو مصر کے اندر ایک بڑی مذہبی اور سماجی بہبود کے کاموں میں مصروف تنظیم کے طور پر متعارف کرایا۔ الاخوان المسلمون نے ابتداءً خود کو میدان سیاست سے دور رکھا تھا، لیکن بعد میں بعض حالات کی بناء پر اس نے 1938ء کے قریب اس میدان میں قدم رکھا۔ اس کا آغاز اخوان نے اپنے پہلے ہفت روزہ اخبار "النذیر" کے اجزا سے کیا، جس میں سیاسی خبروں کے ساتھ سیاسی امور پر بحث وتجزیہ بھی ہوتا تھا، جن میں اخوان کی رائیں بھی شامل ہوتی تھیں، جس کے ذریعہ اس تنظیم کو کافی تقویت حاصل ہوئی۔

اس تحریک کے مقاصد

اس تحریک کے بنیادی طور پر دو مقاصد ہیں: 1. چونکہ آزادی ہر انسان کا ایک فطری حق ہے، لہٰذا اسلامی وطن کو ہر اجنبی اقتدار سے آزاد کرایا جائے۔ 2. اور پھر اس آزاد وطن میں ایک آزاد اسلامی سلطنت قائم ہو جو اسلامی احکام پر کاربند ہو، اس کے اجتماعی نظام اسلام کا پابند ہو اور اس کا نظامت عدالت مبنی برحق ہو جس کو وہ تمام لوگوں میں عام کرے۔ (الاخوان المسلمون:86)

الاخوان المسلمون کی تنظیمی وسعت

اس تنظیم نے ترقی کی جانب بہت جلد اپنے قدم بڑھانے شروع کر دیئے تھے۔ 20ویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی کے آخر میں وجود میں آنے والی اس تحریک کے اثرات بہت تیزی سے مصر کے پڑوسی عرب ممالک میں پھیلنے لگے تھے، چنانچہ اس تحریک نے آگے بڑھ کر عالم عرب کی سب سے زیادہ منظم اور بااثر تحریک کی شکل اختیار کرگئی۔ عرب کے علاوہ شمالی افریقہ کے ملکوں میں بھی الاخوان المسلمون کے اثرات بہت نمایاں ہیں، الجزائر اور لیبیا میں بھی اخوان کی فکر کے حامل شخصیات اور جماعتیں وجود میں آگئی ہیں۔

اخوان کے مرشدین

اخوان کے مرشدین یعنی اس کے رہنما اور ذمہ داروں کی فہرست میں سب سے اوپر اس تحریک کے بانی "شیخ حسن البناء الشہید" ہیں، امام حسن البناء اس تحریک کے قیام سے اپنی وفات (1949) تک اس کے مرشد عام رہے، اس کے بعد 1951 میں "شیخ حسن بن اسماعیل الہضیبی" کو مرشد عام منتخب کیا گیا، جو 1972 تک اس منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد تیسرے مرشد کے طور پر "السید عمر تلمسانی" (1972-1986)، چوتھے مرشد "استاد محمد حامد ابوالنصر" (1986-1996)، پانچویں مرشد "استاد مصطفی مشہور" (1996-2002)، چھٹے مرشد "مستشار محمد مامون ہضیبی" (2002-2004)، ساتویں مرشد "استاد محمد مہدی عاکف" (2004-2010)، آٹھویں مرشد "ڈاکٹر محمد بدیع" (2010-2013) اور نویں مرشد "محمود عزت" 2013 سے تادم تحریر اس منصب پر فائز ہیں اور اخوان کی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

خدمات

فکری انقلاب: اخوان نے بنیادی طور پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کو اپنی تعلیم وتبلیغ کا مرکز بنایا، کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے قوم کے معمار اور نئی نسل تیار ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے اس راہ میں جان توڑ محنت کی، نتیجتاً وہاں اسلام کے علمبردار طلبہ بڑی تعداد میں فارغ ہونے لگے جنہیں اسلام کی خاطر اپنی جانوں تک کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ دوسری طرف ارباب اقتدار پر بھی انہوں نے محنت کی، انھیں دعوتی خطوط لکھے جس میں اصلاحی اقدامات کی طرف توجہ دلائی اور قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مطالبہ کیا۔

میدان صحافت میں: مصری صحافت بقول بعض "ہالی وڈ" کی صحافت میں تبدیل ہو چکی تھی، اخوان نے اس کی اصلاح کی اور 1946 میں "اخوان المسلمون" روزنامہ جاری کیا اور اپنی بیباک تنقیدوں اور بے لاگ اداریوں سے ہلچل مچا دیا۔ اس کے علاوہ ماہنامہ "المنار"، ہفت روزہ "التعارف، الشعاع، النذیر، الشہاب، الدعوۃ، المباحث اور المسلمون" انہوں نے جاری کئے، اور ان میں ٹھوس حقائق اور مسائل کو زیر بحث لایا۔

تعلیمی میدان میں: اس میدان میں انہوں نے بہت گراں قدر انجام دیں۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درگاہیں، حفظ قرآن کی درسگاہیں، مزدوروں اور کسانوں کے لئے شبینہ مدارس، مدارس امہات المومنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام اور صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کئے، غرضیکہ اس میدان میں عظیم خدمات انجام دیئے۔

معاشی میدان میں: اس میدان میں بھی ان کی خدمات بہت اہم ہیں، انہوں نے قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لئے کئی معاشی کمپنیاں قائم کیں، جن میں کپڑے بنانے کے کارخانے، سیمنٹ کی فیکٹری، تیل سے جلنے والے چولہے بنانے کا کارخانہ اور سنگ تراشی کے جدید ترین آلات بنانے کی کمپنی وغیرہ شامل ہیں۔

☆☆☆☆

ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم

(قیصر فاطمہ، ایم اے، سال اول)

مولانا ابوالکلام آزاد مجاہد آزادی، مقبول ترین مصنف، مشہور مفسر، مایہ ناز مدبر، ولولہ انگیز خطیب اور باوقار شاعر تھے۔ اس عظیم شخصیت کی پیدائش مقدس ترین سرزمین مکہ مکرمہ میں 1888ء میں ہوئی۔ 13-14 سال کی عمر میں حدیث، منطق اور ادبیات جیسے علوم پر آپ نے عبور حاصل کرلیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی ان تمام تر تعلیمی، تحریری، تدبیری، تصنیفی، تقریری اور سیاسی صلاحیتوں کا استعمال ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے، ہندوستان کی متحدہ قومیت کے تصور کو پیش کرنے، ہندوستانیوں میں حب الوطنی پیدا کرنے اور ان میں جوش آزادی کو پروان چڑھانے میں کیا، نتیجتاً قید وبند کی صعوبتوں سے بھی دو چار ہونا پڑا۔ بہر حال طویل جدوجہد اور کاوشوں کے بعد جب 15/ اگست 1947ء کو ہندوستان سے غلامی کا اندھیرا چھٹا اور آزادی کا چراغ روشن ہوا اور ملک میں عبوری وجمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ابتداءً مولانا آزاد اس عبوری حکومت میں شریک نہ تھے لیکن بعد میں پنڈت جواہر لال نہرو کے اصرار پر مرکزی حکومت میں شامل ہوکر وزارت تعلیم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد مولانا آزاد نے طلبہ کے لئے معیاری واعلیٰ تعلیم کی راہیں ہموار کیں، اور اس کے حصول کے ذرائع مہیا فرمائے، وہ خود فرماتے ہیں کہ: وزارت تعلیم کی ذمہ داری سنبھالتے ہی میں نے پہلا فیصلہ جو لیا وہ یہ تھا کہ ملک میں اعلیٰ وفنی تعلیم کے حصول کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں، تاکہ ہم اپنی ضرورتیں خود پوری کرسکیں۔ میں اس دن کا منتظر ہوں جب ہندوستان میں باہر سے آکر لوگ سائنسی اور فنی تعلیم کی تربیت حاصل کریں۔

مولانا آزاد نے اپنے اسی نظریہ اور انھیں اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے بحیثیت وزیر تعلیم کئی اہم اور ٹھوس قدم اٹھائے اور بہت سے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں آیا مثلاً انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (UGC)، انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ وغیرہ، ساتھ ہی کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ ادارے میں نئی روح پھونک کر اس کو مزید متحرک بنایا اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور کی توسیع وترقی کی۔ آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن کے ذریعہ ملک بھر میں ٹیکنیکل ایجوکیشن کا ایسا جال بچھایا کہ آج بھی اہل علم خصوصاً ٹیکنیکل تعلیم سے وابستہ افراد واشخاص مولانا آزاد کے احسان مند ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا آزاد نے مرکزی وریاستی سطح پر ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے بحیثیت وزیر تعلیم نئے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے قیام کے ساتھ ساتھ دیگر تعلیم وتحقیق کے جو مراکز قائم کئے، ان میں سنگیت ناٹک اکیڈمی، ساہتیہ اکیڈمی اور للت اکیڈمی بہت اہم اور نمایاں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا آزاد نے وزارت تعلیم کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے تعلیمی نصاب میں بھی تبدیلی کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور طلبہ کے لئے ایسا نصاب تعلیم مہیا کیا جو ان کے روشن تعلیمی مستقبل کا ضامن ہے۔ نیز 1951ء میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کھڑکپور کا قیام بھی آپ کے عظیم کارناموں میں ہے، بحیثیت وزیر تعلیم مولانا آزاد نے ہندوستان کو تعلیم کے میدان میں خود کفیل بنانے اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لیے جو عظیم کارنامے انجام دیے وہ ناقابل فراموش ہیں۔

جدید ہندوستان میں 1947ء سے 1957ء تک مولانا محترم کے دور وزارت کا جائزہ لینے کے بعد بجا طور پر فخریہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کے دورِ وزارت میں اعلیٰ فنی ومعیاری تعلیم کی ترقی کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے، رہتی دنیا تک ملک ان پر نازاں رہے گا اور ملک کے عوام وخواص اسے یاد رکھیں گے۔

☆☆☆☆☆

اخلاق کا اسلامی تصور

(رخسانہ بیگم، ایم اے، سال دوم)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی وہدایت کرتا ہے، خواہ ان کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے۔ جہاں ایک طرف اسلام ہمیں توحید، نماز، روزہ اور زکاۃ وغیرہ کی تعلیمات دیتا ہے، وہیں دوسری طرف انسان یا فرد پر ایک دوسرے کے تئیں حقوق وذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے، اور انسان خود چونکہ مدنی الطبع ہے، لہٰذا اس کا تعلق خاندان، رشتہ دار اور پڑوسی وغیرہ سے جڑا ہوا ہے، آئے دن ان سے مسائل ومعاملات پیش آتے رہتے ہیں، ان معاملات ومسائل کو اچھے انداز میں حل کرنا اور ان سے معاملات میں حسن سلوک کرنا اخلاق ہے۔

اخلاق کا معنی ومفہوم

اخلاق خلق کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی عادت، خصلت اور مزاج وغیرہ کے ہیں اور اصلاحی معنی انسان کے اندر پایا جانے والا ملکہ ہے جس سے وہ اچھے اور برے کام کرتا ہے جس کو اچھے اور برے اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اخلاق کو دین وشریعت کی روح کہا جاتا ہے۔ اخلاق کے بغیر انسان کا مکمل تصور ناممکن ہے، لہٰذا انسان کی حیثیت صرف حیوانی اور عقلی نہیں ہے بلکہ اخلاقی بھی ہے۔ جس فطرت پر اللہ نے اس کو پیدا کیا اس میں شروع سے ہی یہ صفات انسان کے اندر رکھ دی گئی ہیں، جس کو ہم ضمیر کہتے ہیں یعنی کچھ برا کرنے پر جو ہمارے دل کو اندر سے کھٹک ہوتی ہے وہ انسان کی اندرونی کیفیت ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لئے بدکاری کی ہے اور وہ بھی جو اس کے لئے پرہیزگاری کی ہے"۔ (الشمس:8) دوسری جگہ ارشاد ہے: "بلکہ انسان خود اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہے، چاہے وہ کتنے ہی بہانے بنائے"۔ (القیامہ:15-14)

اسلام میں اخلاق کی اہمیت

دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاقیات کے نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بنیادی طور پر اخلاقی نظریات کے حاملین دو گروہ ہیں: پہلا گروہ قدیم یونانی فلسفیوں کا ہے اور دوسرا جدید دور کے مغربی مفکرین کا۔

پہلے گروہ کا اخلاقی تصور یہ ہے کہ دنیاوی سعادت کے حصول پر اپنا پورا زور صرف کیا جائے اور آخرت کا انکار کیا جائے۔ دوسرے گروہ کا اخلاقی تصور بندے کی عقل پر منحصر ہے، یعنی ان کے نزدیک کسی چیز یا کسی عمل کے اچھے اور برے ہونے کا انحصار عقل پر ہے، اگر کسی چیز کا عقلی طور پر اچھا یا برا ہونا ثابت ہو جائے تو وہی درست اور صحیح ہے، ان کے نزدیک وحی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اخلاق کے اسی نظریہ کی بنیاد پر آج Homosexuality کو فروغ دیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے معاشرے سے امن وامان غائب ہوتا جارہا ہے، اور فحاشی، بے حیائی اور عریانیت عام ہوتی جارہی ہے۔

اس کے برخلاف اسلام کے اخلاقی تصور میں جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے، اس کا دائرہ محدود نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کے ہر گوشہ میں شامل ہے اور ہر عمر، ہر طبقہ اور ہر نسل کے لئے ہے، اس کا تعلق عقائد، عبادات، معاملات اور سیاسیات سے بھی ہے اور کائنات کے ساتھ بھی، جہاں قرآن وسنت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی پر زور دیا گیا ہے وہیں کائنات میں موجود ہر جاندار کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

جب انسان ان اخلاقی اصولوں پر عمل کرتا ہے تو اس کے اندر خدا کا خوف اور آخرت کی فکر گھر کر جاتی ہے، اور پھر وہ خود سے متعلق تمام افراد واشخاص اور احباب ومتعلقین کے ساتھ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرتا ہے اور بہتر طریقے پر ان کے ساتھ پیش آتا ہے، جس کے نتیجہ میں پہلے ایک بہتر خاندان اور پھر ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں ہر طرف امن وامان اور صلح وخیر کا بول بالا ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اسلام کی ان اخلاقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو نتیجتاً ہر طرف دھوکہ بازی، فحاشی، عریانی، فساد، قتل وغارت، خود غرضی اور نا جانے کیا کیا جرائم عام ہو جاتے ہیں اور معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے میں ان تمام اصولوں کو برتا جائے، تاکہ معاشرے کا امن وامان باقی رہے۔

☆☆☆

فقہی اختلاف کی حیثیت

(سید عبد الرشید، ریسرچ اسکالر)

فقہی اختلاف مسلمانوں کے داخلی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے امت بحران کا شکار ہے، حالاں کہ یہ کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ یہ اختلاف حضور کے دور میں صحابہ کرام میں بھی موجود تھا، اس کی مثال وہ مشہور حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کو اپنے گھروں سے فوراً نکلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ کر ہی ادا کرے" (بخاری: 946)۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت راستہ ہی میں تھی کہ عصر کا وقت ختم ہونے لگا، چند افراد نے کہا کہ ہم تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق منزل پر پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے، چاہے نماز قضا ہو جائے۔ جب کہ وقت کی کمی کو دیکھتے ہوئے دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر نماز پڑھ لی کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مقصد جلدی پہنچنا ہے، اس لئے نماز عصر کو قضا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ واقعہ جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو بھی غلط نہیں ٹھہرایا (صحیح بخاری: 946)۔

اس کے علاوہ کئی مسائل تھے، جن کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہوا ہے، مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی رائے تھی کہ میت کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے (بخاری: 1286)، جب کہ حضرت عائشہ کی رائے یہ تھی کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں ہوتا ہے (بخاری: 1288)۔ اس قسم کے کئی مسائل تھے، جن میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا لیکن انہوں نے اس کی وجہ سے کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ نہیں کیا۔ کیوں کہ یہ فروعی مسائل کا اختلاف تھا، اور فروعی مسائل میں اختلاف منع نہیں ہے، بلکہ یہ جائز اختلاف ہے، جو امت کے لئے آسانی اور رحمت پیدا کرتا ہے (ادب الاختلاف، ص: 25)۔ لہٰذا اس کی وجہ سے کسی اختلاف کرنے والے کو الزام دینا درست نہیں، نہ ہی یہ سوچنا درست ہے کہ یہ اختلاف نہ ہوتا یا ختم ہو جاتا تو امت کے حق میں بہتر ہوتا، تاریخ میں ایک موقع ایسا بھی آیا ہے کہ خلیفہ خود یہ چاہا تھا کہ تمام امت کو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم کے مسلک پر عمل کرنے پر آمادہ کر دے، لیکن خود اس عالم دین نے جو امام وقت بھی تھے، خلیفہ کو ایسا قدم اٹھانے سے منع کر دیا، یہ عالم امام مالک تھے، جنہوں نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سے کہا کہ مختلف علاقوں میں کئی نسلوں سے صحابہ کا بتایا ہوا طریقہ رائج ہے، آپ اگر اس کو تبدیل کرنا چاہیں گے، تو لوگ (ناواقفیت سے) اس کو کفر کے برابر سمجھ لیں گے۔ لہٰذا سب کو اپنے اپنے طریقہ سے عمل کرنے دیجئے (الجرح والتعدیل، از ابن ابی حاتم: 29/1)۔

ایک اور مثال جو اس سے بھی قدیم ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہے، وہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جلیل القدر عالم بھی تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا تو یہ کوئی پسندیدہ بات نہ ہوتی، کیوں کہ سب ایک ہی طریقہ پر ہوتے تو امت تنگی میں پڑ جاتی، ایک سے زائد رائے ہونے کی وجہ سے کسی کے بھی طریقہ کو اختیار کرنے کی گنجائش باقی ہے (جامع بیان العلم: 901/2)۔ ایک مرتبہ حمید الطویل نامی ایک عالم نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ (فقہی اختلاف کو ختم کر کے) تمام امت کو ایک ہی طریقہ پر عمل کرنے والا بنا دیں تو بہتر ہوگا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کو منظور نہیں کیا، بلکہ سرکاری فرمان جاری کیا کہ ہر علاقے میں وہاں کے فقہاء کی تحقیق کے مطابق فیصلہ کیا جائے (سنن دارمی: 652)۔

ان دونوں واقعات پر غور کیجئے، دونوں بزرگوں عمر بن عبد العزیزؒ اور امام مالکؒ نے ایک مخلص عالم ہونے کے ناطے نیز شریعت کا مزاج شناس ہونے کی وجہ سے اختلاف کو ختم کرنے سے گریز کیا، کیوں کہ وہ اختلاف کو شریعت کی خصوصیت سمجھتے تھے۔ اور اس وسعت اور سہولت کو کھونا نہیں چاہتے تھے، جو امت کو مختلف آرا کی وجہ سے حاصل تھی۔

اختلاف نہیں سہولت: یہی وہ نکتہ تھا، جو صحابہ کرام، تابعین، اور بعد کے مخلص علماء کے پیش نظر تھا، وہ اختلاف کو ایک مشکل کے بجائے ضرورت اور سہولت کے طور پر دیکھتے تھے، طلحہ بن مصرف ایک تابعی ہیں، جب ان کے پاس فقہی اختلاف کا ذکر ہوتا تو کہتے: اس کو اختلاف مت کہو، بلکہ وسعت اور گنجائش کا نام دو (حلیۃ الاولیاء: 19/5)۔ یہ وسعت اور گنجائش جس کو اختلاف کا نام دیا گیا ہے، شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہے، اس سے شریعت کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ سے کسی مسئلہ میں ایک سے زائد طریقوں کا ثبوت سہولت کے لئے تھا، نہ کہ انتشار کے لئے، ایک سے زائد طریقوں کی مشروعیت اتفاقی نہیں، بلکہ قصداً باقی رکھی گئی، تاکہ امت کے لئے سہولت اور وسعت باقی رہے۔

اختلاف زندگی کی حقیقتوں میں سے ایک بنیادی حقیقت ہے، جس کو ختم کرنے کے بجائے برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اور مختلف فقہی مسالک کو انتشار کے بجائے تنوع کا ذریعہ بنانا چاہئے، ایسا تنوع جو باہم مل کر اتحاد کو تقویت دیتا ہو، نا کہ نقصان پہونچاتا ہو۔

☆☆☆

میراث میں خیانت اور ہمارا معاشرہ

(شیخ نعیم النساء، ایم اے، سال دوم)

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا چھوڑا ہوا مال و جائیداد "میراث" کہلاتا ہے، اور اسے مخصوص اصول و قوانین کے مطابق میت کے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

میراث کی تقسیم کے سلسلے میں دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان مختلف طریقے رائج رہے ہیں مثلاً زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں اور بچوں کو میراث کے مال سے محروم رکھتے تھے، ان میں جو زیادہ طاقتور اور با اثر ہوتا وہ میراث کے سارے مال کو سمیٹ لیتا اور کمزوروں کا حصہ چھین لیتا تھا، برصغیر کی قومیں اور دیگر علاقوں کے لوگ عورتوں کو حصہ بالکل نہ دیتے تھے۔ یہ تمام طریقے اعتدال سے دور اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے سراسر خلاف تھے اور ہیں۔

تقسیم میراث اور دین اسلام کا اعزاز

دین اسلام کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے جہاں دیگر معاملات میں افراط و تفریط کو ختم کیا وہیں "تقسیم میراث" کے معاملہ میں بہترین طریقہ عطا فرمایا، محروموں کو حق دیا اور جابروں کو ان کی حدود میں رکھا اور ہر ایک کو اس کے مناسب حصہ عطا فرمایا، اور خاص طور پر خواتین اور یتیم بچوں کے حوالہ سے خصوصی احکامات دیئے، عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہ دینے کی رسم کو ختم کرتے ہوئے قرآن مجید نے مرد و عورت میں سے ہر ایک کے لیے اس کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے مالِ وراثت میں حصہ قرار دیا ہے۔

مال وراثت کے تعلق سے ہمارے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو صرف خرابیاں اور برائیاں ہی نہیں ظلمِ عظیم ہیں۔ مرنے والا جس کو اسلامی حکم کے مطابق اپنے مال کے ایک تہائی حصے تک وصیت کی اجازت ہے لیکن وہ کسی رنجش یا تکلیف کی بنا پر اصل وارث کو اپنے مال سے محروم کرنے کی وصیت کر جاتا ہے، افسوس کہ ہمارے معاشرے میں میراث سے محروم کرنے کی یہ صورت عام ہوتی جا رہی ہے۔ بہت سے لوگ یہ وصیت کر کے مر جاتے ہیں کہ میرے مال میں سے فلاں شخص کو ایک پائی تک نہ دی جائے، حالانکہ شرعی طور پر وہ اس کے مال کا حق دار ہوتا ہے، ایسی وصیت کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور ایسے لوگوں کے لئے حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی ستر برس تک جنتیوں جیسے عمل کرتا رہے پھر اپنی وصیت میں خیانت کر بیٹھے تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوگا اور وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اس طرح میراث کے حوالے سے دوسری خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ بہت سی جگہوں پر جہالت کی وجہ سے، یا غفلت کی وجہ سے اور کہیں ظلم کی وجہ سے مستحق وارث کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا، جیسے بہنوں یا بھائیوں یا نانی، دادی اور دادا کا وراثت میں حصہ بن رہا ہوتا ہے، لیکن انہیں ان کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح ماں کا حصہ بنتا ہے لیکن انہیں کچھ نہیں ملتا جو کہ سراسر غلط اور ظلم ہے۔

میراث سے وارث کو اس کا حصہ دینا اللہ کے حکم کی اطاعت ہے، جب کہ اسے محروم کر دینا کافروں کا وطیرہ ہے اور حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ دوسروں کی وراثت دبانا اور دوسرے وارثوں کے مال پر قبضہ جمانا حرام ہے۔ اور حرام مال حاصل کرنا اور کھانا کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ"۔

وراثت کے مسئلہ میں سنگین ترین صورت حال یتیم وارثوں کو ان کے حصہ سے محروم کرنا اور انھیں حصہ نہ دینا ہے، اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "بیشک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے"۔

مختصراً یہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی طرح اس میراث کی تقسیم کے حکم پر بھی اللہ کے قانون کے مطابق عمل کر کے اللہ کی خوشی و رضامندی کو حاصل کرنا چاہئے۔

☆☆☆

ریشمی رومال تحریک

(عزیر عالم، ایم اے، سال اول)

تحریک آزادی میں علماء کرام نے بے شمار قربانیاں دی ہیں، انہوں نے ہر طرح کی جانی مالی قربانیاں دیں، انھیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا، انھیں پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا، کالا پانی کی سزا دی گئی۔ انہوں نے ملک کی آزادی کے لئے کئی تحریکیں بھی چلائیں۔ ان لوگوں نے اپنی ان تحریکات کا سلسلہ اس وقت شروع کیا جب ہندوستان کی آزادی کے لئے ملک میں کسی دوسری تحریک کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا۔

حضرات علماء کرام کے ذریعہ چلائی گئی ان تحریکات میں سے ایک مشہور اور اہم تحریک "تحریک ریشمی رومال" ہے۔ ریشمی رومال تحریک کو سیاسی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے اور اس نے ملک کی آزادی میں اہم رول ادا کیا۔

اس تحریک کے قائد مولانا محمود حسن دیوبندی تھے۔ 1914ء میں جب عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی آزادی کا وقت قریب آ گیا ہے اور اب اس کی آزادی کی جنگ کی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی ان کو یہ احساس بھی دامن گیر رہا کہ ہندوستانی عوام افغانستان، ایران اور خلافت عثمانیہ کو اپنے ساتھ ملائے بغیر برطانوی حکومت سے ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا تاکہ وہ وہاں کی حکومت اور عوام کو ہندوستان کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ کریں۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان روانہ کرنے کے بعد خود آپ نے حجاز اور خلافت عثمانیہ کا سفر کیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے افغانستان پہنچتے ہی اپنے کام کا آغاز کر دیا، چنانچہ انہوں نے وہاں کی حکومت کے ذمہ داروں سے ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں بات کی اور ان سے مدد کی درخواست کی، بعد میں مولانا عبید اللہ نے افغانستان میں ایک عارضی حکومت بھی قائم کر لی، اس عارضی حکومت کے تین رکن تھے: راجہ مہندر سنگھ، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا عبید اللہ سندھی۔ اس حکومت نے ہندوستان کی آزادی کے لئے مختلف ممالک میں اپنے وفود بھیج کر آزادی کے راستے اور رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔

لیکن بدقسمتی سے جو وفود مختلف ممالک میں بھیجے گئے تھے ان میں جاپان جانے والا وفد روسی حکام کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور انہوں نے ان کو برطانیہ کے حوالہ کر دیا اور ترکی جانے والا وفد بھی برطانوی حکام کے ہاتھ لگ گیا۔ اس موقع پر مولانا مولانا عبید اللہ سندھی نے چاہا کہ ان تمام حالات سے شیخ الہند کو مطلع کر دیں، چنانچہ انہوں نے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر ان تمام حالات و واقعات کو لکھ کر عبد الحق کے حوالہ کیا اور ان کو یہ خطوط عبد الرحیم سندھی کو پہنچانے کا حکم دیا۔ "ریشمی رومال" کے ان خطوط کی بناء پر ہی اس تحریک کو "ریشمی رومال تحریک"، "تحریک ریشمی رومال" یا "ریشمی خطوط تحریک" کہتے ہیں۔

عبید اللہ سندھی نے ریشمی رومال پر جو خطوط لکھے تھے، ان میں سے پہلا خط جو عبد الرحیم کے نام تھا اس میں لکھا کہ یہ خط شیخ الہند کو مدینہ روانہ کر دیں اور ان کو خط اور زبانی دونوں طریقوں سے آگاہ کر دیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں، دوسرا خط جو شیخ الہند کے نام تھا اس سے متعلق یہ ہدایت تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دکھا دیا جائے، اس کے علاوہ رضا کار فوج، افسروں کا تذکرہ، فوجی تربیت اور ان کے کام کی ذمہ داریوں کی تفصیل، افغانستان میں ان کی عارضی حکومت کا قیام اور روس، جاپان اور ترکی وفود کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ تیسرے خط میں ہندوستان میں تحریک کے متحرک اور سست کارکنوں کا تذکرہ تھا اور مولانا آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی گرفتاری کا بھی ذکر تھا، اس کے علاوہ اس خط میں شیخ الہند کو ہندوستان آنے سے منع کیا گیا تھا، کیونکہ یہاں ان کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا گیا تھا۔

عبد الحق ان خطوط کو لے کر سرحد کے راستہ سے پنجاب ہوتا ہوا بھاولپور پہنچا، پھر وہاں سے اپنے ایک کرم فرماں رب نواز سے ملنے گیا جو کہ خفیہ طور پر انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور ان کا بہی خواہ تھا اور یہ بات عبد الحق کے علم میں نہیں تھی، چنانچہ ناداشتگی میں اس نے رب نواز سے مولانا کی تحریکی سرگرمیوں کو بیان کر دیا، اور ساتھ ہی خطوط کا بھی تذکرہ کر دیا۔ اب رب نواز نے عبد الحق کو ڈرا دھمکا کر سارے خطوط حاصل کر لئے اور ان کو کمشنر کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح سے ریشمی رومال تحریک برطانوی حکومت کے علم میں آ گئی، جو کہ اس کے خاتمہ کی وجہ بن گئی۔ چنانچہ مولانا محمود حسن کو مدینہ ہی میں گرفتار کر لیا گیا اور افغانستان میں عبید اللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم بھی جاری کر دیا گیا۔ اس طرح سے یہ تحریک ختم ہو گئی اور ہندوستان کی آزادی کے لئے جو خفیہ تحریک چل رہی تھی وہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

☆☆☆

نتیجہ فکر طلبہ

حیاء ایمان کا جزء ہے
اسے تم گر بھلا دو گی
تو رخصت ایماں بھی ہو جائے
جو دل ایماں سے خالی ہو
خدا اس دل سے نالاں ہے

حیاء مریم کا ورثہ ہے
یہ اک نور کا ہالہ
ہمارے گرد بنتا ہے
پھر ایمان کی راہیں
منور ہوتی جاتی ہیں

فقط واہ واہ کی خاطر
توجہ بیار کی خاطر
حیاء کو چھوڑ نہ دینا

کہیں ایسا نہ ہو اک دن
کہ ایماں کے دیئے سارے
اک اک کر کے بجھ جائیں
اور اک تیرگی سی پھر
روح و دل پہ چھا جائے

پشیمانی مقدر ہو
سکوں سے دل یہ عاری ہو
خدا بھی نہ نظر آئے

نوید السحر (ایم اے، سال اول)

شعبہ کی خبریں

اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دے

(حنیفہ بتول، ایم اے، سال اول)

شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو متنوع علمی وثقافتی سرگرمیوں کی بنا پر ایک منفرد پہچان رکھتا ہے۔ ان سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ دیواری پرچہ "اسلامی مطالعات" کا حصہ بنتی ہے، گذشتہ شمارہ میں دسمبر 2017 تک کی رپورٹ آچکی ہے، اس کے بعد جو سرگرمیاں انجام پائیں ان پر اختصار کے ساتھ ذیل میں روشنی ڈالی جارہی ہے:

توسیعی خطابات

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی جانب سے موقع بموقع ملک کے نامور اسکالرس اور مختلف علمی وفنی موضوعات کے ماہرین کو توسیعی خطابات کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ گزشتہ عرصہ میں درج ذیل خطابات کا انعقاد عمل میں آیا:

12/دسمبر 2017 کو ڈاکٹر محمد اسلم عبداللہ (چیف ایڈیٹر مسلم آبزرور، امریکہ) نے "قرآن ایک عمومی منظر نامہ" کے عنوان پر توسیعی خطبہ پیش کیا، انہوں نے کہا کہ "قرآن مجید نے اپنے آپ کو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر پیش کیا لیکن مسلمانوں نے اس کو اپنی کتاب بنا کر محدود کر دیا، انھوں نے قرآن مجید کی ایسی تشریح کی جس کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ اس انحراف کے اسباب تلاش کرنا اور انسانیت تک قرآن مجید کا پیغام پہنچانا امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری ہے۔

ڈاکٹر اسلم عبداللہ صاحب نے 13/دسمبر کو اپنا دوسرا خطبہ بعنوان "قرآن کے اہم موضوعات" پیش کیا۔ اپنے خطبہ میں قرآن کی 6 اہم بنیادوں پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تکریم انسانیت، وحدت انسانیت، مساوات، علم، عدل وانصاف اور امن واشتی وہ اصول ہیں جن کا اطلاق تمام کائنات پر ہوتا ہے، جو انسانیت کے فائدے کے لئے قرآن کریم پیش کرتا ہے۔

شعبہ کی لائبریری کا افتتاح

مطالعہ فکر وعمل کی قوت ہے، یہ شخصیت کو نکھار کر فکر کو تازگی عطا کرتا اور عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ مطالعہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر اور طلبہ میں تعلیمی اور تحقیقی شوق کو جگانے کے لئے ایک شعبہ جاتی لائبریری کو منظم اور مستحکم کیا گیا، جس کا افتتاح پروفیسر ایم اے سکندر (رجسٹرار، مانو) کے ہاتھوں انجام پایا، انہوں نے اس موقع پر اپنے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی دنیا میں ہی کتابیں سب سے زیادہ لکھی اور پڑھی جاتی ہیں، شارجہ، ابو ظبی اور ایران میں منعقد ہونے والے کتابی میلے اس کی مثالیں ہیں، شعبہ کی سطح پر لائبریری کا قیام بہت ہی اچھا اقدام ہے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر اختر پرویز (لائبریرین سید حامد مرکزی لائبریری، مانو) نے اس موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے شعبہ کے اس اقدام کی ستائش کی۔ اس موقع پر اسکول برائے فنون وسماجی علوم کے ڈین پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ کے علاوہ اِس اسکول کے تمام صدور بھی موجود تھے۔ شعبہ کی یہ لائبریری اسکول برائے فنون وسماجی علوم کے تمام شعبہ جات کے طلبہ کے استفادہ کے لئے کھولی گئی ہے۔

اسلامی مطالعات فورم کے پروگرام

اسلامی مطالعات فورم شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو کا ایک بہت ہی فعال اور متحرک پلیٹ فارم ہے۔ اس عرصہ میں اس کے تحت جو سرگرمیاں انجام پائیں وہ حسب ذیل ہیں:

☆18/جنوری کو ڈاکٹر نجی اللہ (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ نظم ونسق عامہ، مانو) نے "ہندوستان میں اقلیتوں کے حقوق" کے عنوان سے اپنا لکچر پیش کیا۔ اس لکچر کے ذریعہ آپ نے اس جمہوری دور میں اقلیتوں کے معدوم شدہ اصل تصور کو واضح کیا، حق مساوات اور حقوق انسانی کمیشن وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی۔ ☆ 1/فروری 2018 کو پروفیسر فریدہ صدیقی (صدر شعبہ معاشیات، مانو) نے "ہندوستان کا معاشی نظام" پر پرمغز اور مفید خطاب پیش کیا، انہوں نے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کے ذریعہ معاشی نظام، اس کی اقسام اور ہندوستان میں معاشی وسائل کے استعمال اور پیداوار پر مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ ☆ یکم مارچ 2018 کو ڈاکٹر اسرار عالم (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سوشل ورک، مانو) نے "ای-کمیونیکیشن" کے موضوع پر اپنے لکچر میں گفتگو کرتے ہوئے موجودہ دور میں اس کی اہمیت، ماحول پر اس کے اثرات اور جدید نظریہ کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ G-Mail، E-Mail وغیرہ کے مفید علمی استعمالات پر روشنی ڈالی اور عملی مشق کرائی۔ ☆ 8/اور 15/فروری 2018 کو جناب عاطف عمران (استاذ شعبہ) نے شعبہ کے طلبہ کے لئے اردو تحریر نویسی ورکشاپ کا انعقاد کیا، جس میں انہوں نے اردو املا نویسی سے روشناس کرایا اور رہنما اصول بیان کئے۔ ☆ 5/اپریل کو "اسلامک اسٹڈیز سے متعلق ہندی اصطلاحات" کے موضوع پر ڈاکٹر مصباح الانظر (اسسٹنٹ پروفیسر CPDUMT، مانو) خطاب فرماتے ہوئے ابتدائی ہندی قواعد، روز مرہ کی زندگی میں استعمال ہونے والی اصطلاحات، محاورے، کہاوتیں اور مترادفات وغیرہ پر اہم معلومات بہم پہنچائیں، اسی طرح تعلیم وتعلم میں بھی ہندی کے استعمال پر روشنی ڈالی۔ ☆ 12/اپریل کو ڈاکٹر اسرار عالم (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سوشل ورک مانو) نے "ای - ریسورسز" کے موضوع پر خطاب کیا، انہوں نے Mendeley سوفٹ ویر کے مفید علمی استعمال کے طریقے بتائے اور لیپ ٹاپ پر عملی مشق کرائی، ساتھ ہی انہوں اہم علمی وتحقیق ویب سائٹس کا تعارف پیش کیا۔

بزم طلبہ کے پروگرام

بزم طلبہ کی جانب سے طلبہ خود ہی ہر سمسٹر کے اندر مفید اور دلچسپ پروگرام منعقد کرتے ہیں۔ رواں سمسٹر کے دوران بھی طلبہ نے کئی پروگرام منعقد کئے، جو درج ذیل ہیں:

☆ 25/جنوری کو برجستہ تقریری مقابلہ کا انعقاد ہوا، جس میں ایم اے کے طلبہ نے بہت ہی جوش وجذبہ کے ساتھ حصہ لیا اور اپنی بے باکانہ تقریری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس مقابلہ میں ایم اے سال دوم کے طالب علم صلاح الدین نے اول مقام حاصل کیا۔

☆ 22/فروری کو نصاب اور معلومات عامہ پر مبنی کوئز مقابلہ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں 3 ٹیموں نے حصہ لیا اور ٹیم C اپنی بہترین کارکردگی کی بدولت پہلی پوزیشن پر فائز ہوئی۔

☆22/مارچ کو مادر علمی کی معطر و پاکیزہ علمی فضاؤں میں مقابلہ بیت بازی منعقد ہوا۔ کل 3 ٹیموں نے حصہ لیا، اور اپنی شعری ذوق کا ثبوت دیتے ہوئے زبردست مقابلہ پیش کیا۔ اس مقابلہ میں گروپ B نے اول مقام حاصل کیا۔

☆ ہر سال کی طرح اس سال بھی ایم اے سال اول کے طلبہ نے ایم اے سال دوم کے طلبہ کے لئے 17/اپریل کو "الوداعی تقریب" کا انعقاد کیا، جس میں سال دوم کے طلبہ نے یہاں گزارے گذشتہ دو سالوں کی کھٹی میٹھی یادیں تازہ کیں اور اس دوران کے اپنے تجربات اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کئے، ساتھ ہی انھوں نے اپنے اس احساس کا بھی اظہار کیا کہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں گذشتہ دو سالوں کے دوران انھوں نے جو کچھ پڑھا اور سیکھا وہ اس وقت کی ضرورت ہے اور ہر مسلمان کو ان چیزوں کا علم ہونا چاہئے، اور اس پر انھوں نے اپنے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اتنا مہتم بالشان نصاب کا انتخاب کیا اور انھیں اس سے روشناس کرایا۔ اس موقع پر سال اول کے طلبہ نے اپنے سینئر ساتھیوں کو مومنٹوز دیئے اور ساتھ ہی ان کی مخصوص سرگرمیوں کے پیش نظر ان کو مختلف القابات سے بھی نوازا۔

اس موقع کی مناسبت سے ہر سال کی طرح مختلف معیارات کی بناء پر شعبہ کے اساتذہ کی جانب سے طلبہ میں انعامات تقسیم کئے گئے، چنانچہ بہترین رزلٹ پر محمد صلاح الدین (سال دوم)، بہترین حاضری پر سال دوم کی دو طالبات رضوانہ بیگم اور رخسانہ بیگم اور سال اول کی ایک طالبہ حنیفہ بتول اور بہترین مجموعی کارکردگی کی بنیاد پر سال اول کے دو طلبہ عزیر عالم اور نوید السحر کو انعامات سے نوازا گیا، مزید یہ کہ صدر شعبہ ڈاکٹر محمد فہیم اختر نے اپنی جانب سے اساتذہ شعبہ اور دو اسکالرس کو ان کے حسن کارکردگی کی بنیاد پر انعامات سے نوازا۔

دیواری پرچہ "اسلامی مطالعات" کی رسم اجراء

بزم طلبہ کی جانب سے شائع ہونے والے شعبہ کی سرگرمیوں اور طلبہ شعبہ کی تخلیقی ومطالعاتی کاوشوں کے آئینہ دار دیواری پرچہ "اسلامی مطالعات" کے چھٹے شمارہ کی رسم اجراء عزت مآب پروفیسر شکیل احمد (نائب شیخ الجامعہ، مانو) کے ہاتھوں یکم دسمبر 2017 کو عمل میں آئی۔ اس پرچہ کے تمام مضامین شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ کی اپنی کاوشیں اور تخلیقات ہیں، ان نوخیز کاوشوں اور محنتوں کے ساتھ اس پرچہ کی تیاری میں طلبہ خود کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، ڈیزائنگ اور پرنٹ آوٹ وغیرہ کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔ اس کے چھٹے شمارہ کی رسم اجراء کے موقع پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ زندگی میں تبدیلی اہم ہے، جو وقت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے وہ ختم ہوجاتے ہیں جبکہ اس کے پیچھے چلنے والے اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں، جو زمانے کے ساتھ چلتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں اور جو تبدیلی کے موجب ہوتے ہیں وہی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔

اساتذہ شعبہ کی سرگرمیاں

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے تمام اساتذہ تدریسی سرگرمیوں کے علاوہ دیگر علمی وتحقیقی سرگرمیوں میں بھی پورے طور پر سرگرم عمل رہتے ہیں۔ موجودہ سمسٹر میں جن علمی سرگرمیوں میں وہ شریک وشامل رہے ان کی ایک جھلک درج ذیل ہے:

ڈاکٹر محمد فہیم اختر (صدر شعبہ)

☆ پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس منعقدہ مانو، حیدرآباد بتاریخ 15-14/دسمبر 2017 میں ایک نشست کی صدارت کی۔ ☆ 18-16/فروری 2018 انٹرنیشنل سیمینار بمقام دہلی میں "امن، مساوات، انصاف اور اخوت کے فروغ میں مذہب کا کردار" کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ ☆ دو روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقدہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی مورخہ 8 - 7/مارچ 2018 میں اپنا مقالہ بعنوان "اخلاقی بحران اور ماحولیاتی تناظر" پیش کیا۔ ☆ دو روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقدہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، منجانب آئی او ایس نئی دہلی میں مورخہ 20-19/اپریل 2018 کو اپنا مقالہ "ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی اور اسلامی تہذیب کا تناظر" کے موضوع پر پیش کیا۔

ڈاکٹر محمد عرفان احمد (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ)

☆ پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس مورخہ 15-14/دسمبر 2017 منعقدہ مانو حیدرآباد میں "اردو زبان میں مسلم تہذیب وثقافت کی تاریخ میں تحقیق وتصنیف ایک مطالعہ" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ ☆ 28-27/فروری 2018 کو دو روزہ نیشنل سیمینار منعقدہ شعبہ فارسی مانو حیدرآباد میں فارسی زبان وادب میں "مغل شہزادی: گل بدن بیگم اور جہاں آراء کی خدمات" پر مقالہ پیش کیا۔ ☆ 7-8/مارچ 2018 دو روزہ انٹرنیشنل سیمینار منعقدہ المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی باشتراک شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ میں "خانقاہی نظام میں اخلاقی تربیت اور اس کی عصری معنویت" کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ☆ دو روزہ قومی سیمینار بتاریخ 20-19/مارچ 2018 منعقدہ شعبہ سوشل ورک مانو میں اپنا مقالہ بعنوان "بہار کی پسماندہ طبقات اور ان کی تحریکیں" پیش کیا۔ ☆ دو روزہ نیشنل کانفرنس مورخہ 23-22/مارچ 2018 منعقدہ شعبہ سماجی علوم مانو حیدرآباد میں "بہار میں اردو زبان اور اس کے مسائل" پر مقالہ پیش کیا۔

جناب محمد سراج الدین (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ)

☆15-14/دسمبر 2017 کو پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس منعقدہ مانو حیدرآباد میں "اردو زبان میں قرآن کریم کی فقہی تفاسیر - ایک جائزہ" کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ☆ شعبہ سوشیولوجی مانو کے تحت منعقدہ دو روزہ نیشنل کانفرنس مورخہ 23-22/مارچ میں اپنا مقالہ بعنوان "مسلم اقلیت کی تعلیم اور مدارس ایک جائزہ" پیش کیا۔

محترمہ ذیشان سارہ (استاذ شعبہ)

☆ پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس مورخہ 15-14/دسمبر 2017 منعقدہ مانو حیدرآباد میں اپنا مقالہ بعنوان "دکن کی مسلم تہذیب وتمدن کی تاریخ پر اردو تصانیف ایک تجزیاتی مطالعہ" پیش کیا۔ ☆ دو روزہ نیشنل سیمینار بعنوان "تاریخ اور تاریخ نویسی کے بدلتے رجحانات" مورخہ 22-21/مارچ منعقدہ شعبہ تاریخ، مانو حیدرآباد میں اپنا مقالہ "عہد سلطنت کی تمدنی تاریخ: سید صباح الدین عبدالرحمن کے تاریخی رجحان کا جائزہ" پیش کیا۔

جناب عاطف عمران (استاذ شعبہ)

☆15-14/دسمبر 2017 کو پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس میں "علوم اسلامی میں علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمات - ارض القرآن کے حوالہ سے" کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ☆ 23-22/مارچ شعبہ سماجی علوم کی جانب سے منعقدہ دو روزہ نیشنل کانفرنس میں "The role of Madarsas in Constructing identity in India" کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

طلبہ کی دیگر سرگرمیاں

پہلی قومی اردو وسماجی علوم کانگریس منعقدہ مانو حیدرآباد مورخہ 15-14/دسمبر میں ریسرچ اسکالرس نے مختلف تحقیقی عنوانات کے تحت مقالات پیش کئے، جن میں سید عبدالرشید نے "عرب وہند کے تعلقات - علمی بنیادیں"، صالح امین نے "اردو زبان میں چند معروف علماء ہند کی فقہی خدمات"، عبدالرقیب نے "اردو زبان میں علمائے دیوبند کی تفسیری خدمات کا جائزہ" اور محمد عامر نے "اسلامک اسٹڈیز کے حوالہ سے اردو زبان میں اصول تحقیق پر جامع درسی کتاب" کے موضوعات پر اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے۔

☆☆☆

آئین ہند: ایک تعارف

(سید قدیر احمد، ایم اے، سال اول)

کسی بھی ملک یا قوم کو چلانے کے لئے قانون اور دستور کی ضرورت ہوتی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر ہمارے ہندوستان نے بھی دستور مرتب کیا ہے۔ آئین ہند تحریری شکل میں قوانین کی وہ مجموعہ ہے، جو ہندوستان کے تمام باشندوں کے حقوق وفرائض کی تعیین اور حفاظت کرتا ہے۔ آئین ہند کو تشکیل پانے کے لئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑا، ملک کی آزادی کی آزادی کے بعد جس چیز کی ضرورت سب سے زیادہ تھی وہ ہے مکمل ضابطہ قوانین جو ہمارے ملک کی ترقی کی بنیاد بن سکے۔

اس آئین کی تیاری کے لئے ایک "آئین ساز" کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد تھے، اور ان ہی کی صدارت میں ایک "مسودہ ساز" کمیٹی بنائی گئی؛ جس کے صدر ڈاکٹر بی آر امبیڈکر مقرر ہوئے، انھوں نے کئی بیرون ممالک کا دورہ کیا، اور دو سال، گیارہ مہینے اور اٹھارہ دنوں کی محنت کے بعد آئین ہند تحریری شکل میں آیا۔ 26/جنوری 1950 سے ہندوستان میں اس کا نفاذ ہوا۔ دستور ہند کی تیاری کے بعد ہی ہندوستان میں پہلی بار 1951 میں انتخابات منعقد ہوئے۔ اس لئے ہم ہندوستانی ہر سال 26/جنوری کے دن کو "یوم جمہوریہ" کے طور پر مناتے ہیں۔

دستور ہند کو بناتے وقت ہندوستانی عوام کی مذہبی اور تہذیبی وتمدنی حالات کا خیال رکھا گیا، اور اس لئے ہمارا ملک ایک "سیکولر" ملک قرار دیا گیا، کیونکہ اس ملک میں ابھی بھی کئی

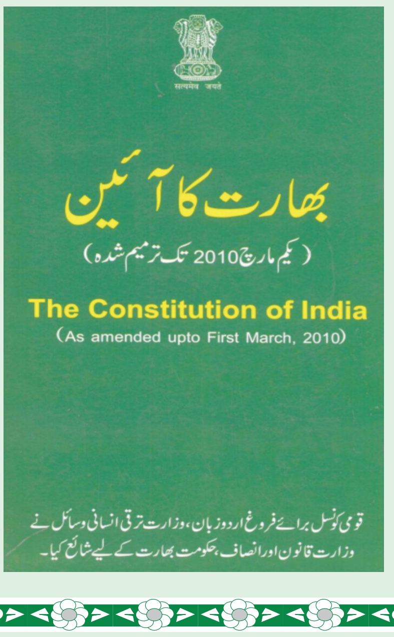

مذاہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں، لیکن ان سب کے باوجود ہمارا دستور ہم تمام ہندوستانیوں کو یکساں حقوق دیتا ہے۔ قانون کی نظر میں سب کو ایک ہی دیکھا گیا ہے۔ دستور ہم سب ہندوستانیوں کو یکساں حقوق دیتا ہے، جس کا سب سے اہم حصہ اس کا تمہیدی صفحہ ہے، جس میں سات بنیادی حقوق کا ذکر ہے:

1- حق مساوات، 2- حق آزادی، 3- حق خلاف استحصال، 4- حقوق برائے مذہبی آزادی، 5- تعلیمی وتہذیبی حقوق، 6- ملکیتی حقوق، 7- حقوق برائے دستور تلافی

آئین ہند میں 22 ابواب اور 395 دفعات ہیں، یہ دنیا کا طویل ترین آئین ہے، ہمارا دستور اپنی مختلف خصوصیات کی وجہ سے دنیا کے بہترین دستور میں شمار ہوتا ہے، ہمیں اس دستور پر فخر ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کی پابندی کریں اور اس کے تحفظ کی بھی فکر کریں۔

☆☆☆